مقالات

قرآن کی چار بنیادی اصطلاحیں

(بسلسلہ اشاعت ربیع الاول سنہ ۶۰ھ)

رب

لغوی تحقیق اس لفظ کا مادہ ر ب ب ہے جس کا ابتدائی واساسی مفہوم پرورش ہے۔ پھر اسی سے تصرف، خبرگیری، اصلاحِ حال اور اتمام وتکمیل کا مفہوم پیدا ہوا۔ پھر اسی بنیاد پر فوقیت، سیادت، مالکیت اور آقائی کے مفہومات اس میں پیدا ہو گئے۔ لغت میں اس کے استعمالات کی چند مثالیں یہ ہیں:

(۱) پرورش کرنا، نشوونما دینا، بڑھانا۔ مثلاً ربیب اور ربیبہ پروردہ لڑکے اور لڑکی کو کہتے ہیں، نیز اس بچے کو جو سوتیلے باپ کے گھر پرورش پائے۔ پالنے والی دائی کو بھی ربیبہ کہتے ہیں۔ رابّہ سوتیلی ماں کو کہتے ہیں کیونکہ وہ ماں تو نہیں ہوتی مگر بچے کو پرورش کرتی ہے۔ اسی مناسبت سے رابّ سوتیلے باپ کو کہتے ہیں۔ مُرَبَّب یا مُرَبّٰی اس دوا کو کہتے ہیں جو محفوظ کر رکھی جائے۔ رَبَّ یَرُبُّ رَبًّا کے معنی اضافہ کرنے، بڑھانے اور تکمیل کو پہنچانے کے ہیں، جیسے رَبَّ النعمۃ، یعنی احسان میں اضافہ کیا یا احسان کی حد کر دی۔

(۲) سمیٹنا، جمع کرنا، فراہم کرنا۔ مثلاً کہیں گے فلان یربُّ الناس، یعنی فلاں شخص لوگوں کو جمع کرتا ہے، یا سب لوگ اس شخص پر مجتمع ہوتے ہیں۔ جمع ہونے کی جگہ کو مَرَبّ کہیں گے۔ سمٹنے اور فراہم ہو جانے کو تربُّب کہیں گے۔

(۳) خبرگیری کرنا، اصلاح حال کرنا، دیکھ بھال اور کفالت کرنا۔ مثلاً ربَّ ضیعتہٗ کے

معنی ہوں گے فلاں شخص نے اپنی جائداد کی دیکھ بھال اور نگرانی کی۔ ابوسفیان نے صفوان سے کہا تھا لان یربنی رجل من قریش احب الی من ان یربنی رجل من ہوازن، یعنی قریش میں سے کوئی شخص مجھے اپنی ربوبیت میں لے لے یہ مجھے زیادہ پسند ہے بہ نسبت اس کے کہ ہوازن کا کوئی آدمی ایسا کرے۔ علقمہ بن عبیدہ کا شعر ہے:

فکنت امرأ افضت الیك ربابتی ‏ ‏ وقبلك ربتنی فضعت ربوب

یعنی تجھ سے پہلے جو میں میرے مربی تھے انھوں نے میری خبر گیری و اصلاح نہ کی، آخر کار اب میری کفالت و ربابت تیرے ہاتھ آئی ہے۔ فرزدق کہتا ہے:

کانوا کسائلة حمقاء اذ حقنت ‏ ‏ سلاءها فی ادیم غیر مربوب

اس شعر میں ادیم غیر مربوب سے مراد وہ چمڑا ہے جو کمایا نہ گیا ہو، جسے دباغت دے کر درست نہ کیا گیا ہو۔ فلان یرب صنعته عند فلان کے معنی ہوں گے فلاں شخص فلاں کے پاس اپنے پیشہ کا کام کرتا ہے یا اس سے کاریگری کی تربیت حاصل کرتا ہے۔

(۴) فوقیت، بالادستی، سرداری، حکم چلانا، تصرف کرنا۔ مثلاً قد ربّ فلان قومه، یعنی فلاں شخص نے اپنی قوم کو اپنا تابع کر لیا۔ ربیت القوم، یعنی میں نے قوم پر حکم چلایا اور بالادست ہو گیا۔ لبید بن ربیعہ کہتا ہے:

واهلكن یوماً رب کندة وابنه ‏ ‏ ورب معد بین خبت وعرعر

یہاں رب کندہ سے مراد کندہ کا سردار ہے جس کا حکم اس قبیلہ میں چلتا تھا۔ اسی معنی میں نابغہ ذبیانی کا شعر ہے:

تخب الی النعمان حتی تناله ‏ ‏ فدی لك من رب تلیدی وطارفی

(۵) مالک ہونا۔ مثلاً حدیث میں آتا ہے کہ ایک شخص سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا أرب غنم ام

رب ابل؟ تو بکریوں کا مالک ہے یا اونٹوں کا؟ اسی معنی میں گھر کے مالک کو رب الدار، اونٹنی کے مالک کو رب الناقہ، جائداد کے مالک کو رب الضیعہ کہتے ہیں۔ آقا کے معنی میں بھی رب کا لفظ آتا ہے اور عبد یعنی غلام کے مقابلہ میں بولا جاتا ہے۔

غلطی سے رب کے لفظ کو محض پروردگار کے مفہوم تک محدود کر کے رکھ دیا گیا ہے اور ربوبیت کی تعریف میں یہ فقرہ چل پڑا ہے کہ ھو انشاء الشئ حالاً فحالاً الی حد التمام (یعنی ایک چیز کو درجہ بدرجہ ترقی دے کر پایۂ کمال کو پہنچانا)، حالانکہ یہ اس لفظ کے وسیع معانی میں سے صرف ایک معنی ہے۔ اس کی پوری وسعتوں کا جائزہ لینے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لفظ حسب ذیل مفہومات پر حاوی ہے:

۱۔ پرورش کرنے والا، ضروریات بہم پہنچانے والا، تربیت اور نشو و نما دینے والا۔

۲۔ کفیل، خبر گیراں، دیکھ بھال اور اصلاح حال کا ذمہ دار۔

۳۔ وہ جو مرکزی حیثیت رکھتا ہو، جس پر متفرق اشخاص مجتمع ہوتے ہوں۔

۴۔ سید مطاع، سردار ذی اقتدار، جس کا حکم چلے، جس کی فوقیت و بالادستی تسلیم کی جائے، جس کو تصرف کے اختیارات ہوں۔

۵۔ مالک، آقا۔

قرآن میں لفظ رب کے استعمالات قرآن مجید میں یہ لفظ ان سب معانی میں آیا ہے۔ کہیں ان میں سے کوئی ایک یا دو معنی مراد ہیں، کہیں اس سے زائد، اور کہیں پانچوں معنی اس کے اندر جمع ہو گئے ہیں۔ اس بات کو ہم آیات قرآنی سے مختلف مثالیں دے کر واضح کریں گے۔

پہلے معنی میں:

قَالَ مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْٓ اَحْسَنَ مَثْوَایَ — اس نے کہا پناہ بخدا! وہ[1] تو میرا رب ہے جس نے مجھے اچھی طرح رکھا

(یوسف۔ ۳)

[1] کسی کو یہ خیال نہ ہو کہ حضرت یوسف عزیز مصر کو اپنا رب فرما رہے ہیں، جیسا کہ بعض مفسرین کو شبہ ہوا ہے۔ بلکہ دراصل "وہ" کا اشارہ خدا کی طرف ہے جس کی پناہ انھوں نے مانگی ہے مَعَاذَ اللّٰهِ اِنَّهٗ رَبِّیْ۔ جب مشار الیہ قریب ہی میں مذکور ہو تو کوئی غیر مذکور مشار الیہ تلاش کرنے کی کیا ضرورت۔

دوسرے معنی ہیں جس کے ساتھ پہلے معنی کا تصور بھی کم و بیش شامل ہے:

فَإِنَّهُمْ عَدُوٌّ لِّي إِلَّا رَبَّ الْعَالَمِينَ الَّذِي خَلَقَنِي فَهُوَ يَهْدِينِ وَالَّذِي هُوَ يُطْعِمُنِي وَيَسْقِينِ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ (الشعراء-۵)

تمہارے یہ معبود تو میرے دشمن ہیں، بجز ربّ کائنات کے جس نے مجھے پیدا کیا ہے، جو میری رہنمائی کرتا ہے، جو مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے اور جب میں بیمار ہوتا ہوں تو مجھے شفا دیتا ہے۔

وَمَا بِكُم مِّن نِّعْمَةٍ فَمِنَ اللَّهِ ثُمَّ إِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ فَإِلَيْهِ تَجْأَرُونَ ثُمَّ إِذَا كَشَفَ الضُّرَّ عَنكُمْ إِذَا فَرِيقٌ مِّنكُم بِرَبِّهِمْ يُشْرِكُونَ (النحل-۷)

تمہیں جو نعمت بھی حاصل ہے اللہ ہی سے حاصل ہوئی ہے، پھر جب تم پر کوئی مصیبت آتی ہے تو اسی کی طرف تم گھبرا کر رجوع کرتے ہو، مگر جب وہ تم پر سے مصیبت ٹال دیتا ہے تو کچھ لوگ تم میں ایسے ہیں جو اپنے رب کے ساتھ (اس نعمت کی بخشش اور اس مشکل کشائی میں) دوسروں کو شریک ٹھیرانے لگتے ہیں

قُلْ أَغَيْرَ اللَّهِ أَبْغِي رَبًّا وَهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ (انعام-۲۰)

کہو، کیا میں اللہ کے سوا کوئی اور رب تلاش کروں حالانکہ ہر چیز کا رب وہی ہے؟

رَّبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَا إِلَٰهَ إِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا (المزمل-۱)

وہ مغرب و مشرق کا رب ہے جس کے سوا کوئی اِلٰہ نہیں ہے، لہٰذا تو اسی کو اپنا وکیل (اپنے سارے معاملات کا کفیل و ذمہ دار) بنالے۔

تیسرے معنی ہیں:

هُوَ رَبُّكُمْ وَإِلَيْهِ تُرْجَعُونَ (ہود-۳)

وہ تمہارا رب ہے اور اسی کی طرف تم پلٹا کر لے جائے جاؤ گے۔

ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّكُم مَّرْجِعُكُمْ (الزمر-۱)

پھر تمہارے رب کی طرف تمہاری واپسی ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا (سبا-۳)

کہو کہ ہم دونوں فریقوں کو ہمارا رب جمع کرے گا۔

وَمَا مِن دَابَّةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مَّا فَرَّطْنَا فِي الْكِتَابِ مِن شَيْءٍ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ (انعام-۴)

زمین میں چلنے والا کوئی جاندار اور ہوا میں اُڑنے والا کوئی پرندہ ایسا نہیں ہے جو تمہاری ہی طرح کی ایک امت نہ ہو، اور ہم نے اپنے دفتر میں کسی کے اندراج سے کوتاہی نہیں کی ہے، پھر وہ سب اپنے رب کی طرف سمیٹے جائیں گے۔

وَنُفِخَ فِي الصُّورِ فَإِذَا هُم مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَىٰ رَبِّهِمْ يَنسِلُونَ (یٰس - ۴)	اور جونہی کہ صور پھونکا گیا وہ سب اپنے ٹھکانوں سے اپنے رب کی طرف نکل پڑیں گے۔

چوتھے معنی میں جس کے ساتھ کم و بیش تیسرے معنی کا تصور بھی موجود ہے:

اِتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (التوبہ - ۵)	انھوں نے اللہ کے بجائے اپنے علماء اور درویشوں کو اپنا رب بنالیا۔
وَلَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ (آل عمران - ۷)	اور ہم میں سے کوئی اللہ کے سوا کسی کو اپنا رب نہ بنائے

دونوں آیتوں میں ارباب سے مراد وہ لوگ ہیں جن کو قوموں اور گروہوں نے مطلقاً اپنا رہنما و پیشوا مان لیا ہو، جن کے امر و نہی، ضابطہ و قانون، اور تحلیل و تحریم کو بلا کسی بالاتر سند کے تسلیم کیا جاتا ہو جنھیں بجائے خود حکم دینے اور منع کرنے کا حق دار سمجھا جاتا ہو۔

أَمَّا أَحَدُكُمَا فَيَسْقِي رَبَّهُ خَمْرًا ..... وَقَالَ لِلَّذِي ظَنَّ أَنَّهُ نَاجٍ مِّنْهُمَا اذْكُرْنِي عِندَ رَبِّكَ فَأَنسَاهُ الشَّيْطَانُ ذِكْرَ رَبِّهِ (یوسف - ۵)	یوسفؑ نے کہا کہ تم میں سے ایک تو اپنے رب کو شراب پلائے گا ...... اور ان دونوں میں سے جس کے متعلق یوسفؑ کا خیال تھا کہ وہ رہا ہو جائے گا اس سے یوسفؑ نے کہا کہ اپنے رب سے میرا ذکر کرنا، مگر شیطان نے اسے بھلاوے میں ڈال دیا اور اس کو اپنے رب سے یوسفؑ کا ذکر کرنے کا خیال نہ رہا۔
فَلَمَّا جَاءَهُ الرَّسُولُ قَالَ ارْجِعْ إِلَىٰ رَبِّكَ فَاسْأَلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ اللَّاتِي قَطَّعْنَ أَيْدِيَهُنَّ ۚ إِنَّ رَبِّي بِكَيْدِهِنَّ عَلِيمٌ (یوسف - ۷)	جب پیغام لانے والا یوسفؑ کے پاس آیا تو یوسفؑ نے اس سے کہا کہ اپنے رب کے پاس واپس جاؤ اور اس سے پوچھو کہ ان عورتوں کا کیا معاملہ ہے جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لیے تھے، میرا رب تو ان کی چال سے باخبر ہے ہی۔

ان آیات میں حضرت یوسفؑ نے مصریوں سے خطاب کرتے ہوئے بار بار فرعونِ مصر کو ان کا رب قرار دیا ہے، اس لیے کہ جب وہ اس کی مرکزیت اور اس کا اقتدارِ اعلیٰ اور اس کو امر و نہی کا مالک تسلیم کرتے تھے تو وہی ان کا رب تھا۔ برعکس اس کے خود حضرت یوسفؑ اپنا رب اللہ کو قرار دیتے ہیں کیونکہ وہ فرعون کو نہیں، صرف اللہ کو مقتدرِ اعلیٰ اور صاحبِ امر و نہی مانتے تھے۔

پانچویں معنی میں:

فَلْيَعْبُدُوا رَبَّ هَٰذَا الْبَيْتِ الَّذِي أَطْعَمَهُمْ مِنْ جُوعٍ وَآمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ۔ (قریش)	لہٰذا انھیں اس گھر کے مالک کی عبادت کرنی چاہیے جس نے ان کی رزق رسانی کا انتظام کیا ہے اور انھیں بدامنی سے محفوظ رکھا ہے
سُبْحَانَ رَبِّكَ رَبِّ الْعِزَّةِ عَمَّا يَصِفُونَ (صفت ۔ ۵)	تیرا رب جو عزت و اقتدار کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
فَسُبْحَانَ اللَّهِ رَبِّ الْعَرْشِ عَمَّا يَصِفُونَ (انبیاء ۔ ۲)	اللہ جو عرش کا مالک ہے ان تمام صفات عیب سے پاک ہے جو یہ لوگ اس کی طرف منسوب کرتے ہیں۔
قُلْ مَنْ رَبُّ السَّمَاوَاتِ السَّبْعِ وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ (المومنون ۔ ۵)	پوچھو کہ ساتوں آسمانوں کا اور عرش بزرگ کا مالک کون ہے؟
رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْمَشَارِقِ۔ (الصّٰفّٰت ۔ ۱)	وہ جو مالک ہے آسمانوں اور زمین کا اور ان سب چیزوں کا جو آسمان و زمین کے درمیان ہیں اور ان سب چیزوں کا جن پر سورج طلوع ہوتا ہے۔
وَأَنَّهُ هُوَ رَبُّ الشِّعْرَىٰ (النجم ۔ ۳)	اور یہ کہ شعریٰ کا مالک بھی وہی ہے۔

ربوبیت کے باب میں گمراہ قوموں کے تخیلات ان شواہد سے لفظ رب کے معانی بالکل غیر مشتبہ طور پر معین ہو جاتے ہیں۔ اب ہمیں دیکھنا چاہیے کہ ربوبیت کے متعلق گمراہ قوموں کے وہ کیا تخیلات تھے جن کی تردید کرنے کے لیے قرآن

آیا، اور وہ کیا چیز ہے جس کی طرف قرآن بلاتا ہے۔ اس سلسلہ میں زیادہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جن گمراہ قوموں کا ذکر قرآن نے کیا ہے ان کو الگ الگ لے کر ان کے خیالات سے بحث کی جائے تاکہ بات بالکل منقح ہو جائے۔

قوم نوحؑ

سب سے پہلی قوم جس کا ذکر قرآن کرتا ہے حضرت نوحؑ کی قوم ہے۔ قرآن کے بیان سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ اللہ کی ہستی کے منکر نہ تھے۔ حضرت نوحؑ کی دعوت کے جواب میں ان کا یہ قول خود قرآن نے نقل کیا ہے:-

مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يُرِيْدُ اَنْ يَّتَفَضَّلَ عَلَيْكُمْ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِكَةً (المومنون - ۲)	یہ شخص کچھ نہیں ہے مگر تم جیسا ایک انسان۔ یہ دراصل تم پر اپنی فضیلت جمانا چاہتا ہے، ورنہ اگر اللہ کوئی رسول بھیجنا چاہتا تو فرشتوں کو بھیجتا۔

انھیں اللہ کے خالق ہونے اور پہلے اور دوسرے معنی میں اس کے رب ہونے سے بھی انکار نہ تھا چنانچہ حضرت نوحؑ جب ان سے کہتے ہیں کہ هُوَ رَبُّكُمْ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ [۱] (ہود - ۳) اِسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا [۲] (نوح - ۱) اَلَمْ تَرَوْا كَيْفَ خَلَقَ اللّٰهُ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ طِبَاقًا وَّجَعَلَ الْقَمَرَ فِيْهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًا وَّاللّٰهُ اَنْۢبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًا [۳] (نوح - ۱) تو ان میں سے کوئی شخص یہ نہیں کہتا کہ اللہ ہمارا رب نہیں ہے، یا زمین و آسمان کو اور ہم کو اس نے پیدا نہیں کیا ہے، یا زمین و آسمان کا یہ سارا انتظام وہ نہیں کر رہا ہے۔

پھر ان کو اس بات سے بھی انکار نہ تھا کہ اللہ ان کا الٰہ ہے، اسی لیے تو حضرت نوح نے ان کے سامنے اپنی

---

[۱] وہ تمھارا رب ہے اور اسی کی طرف تمھیں پلٹ کر جانا ہے۔

[۲] اپنے رب سے معافی چاہو کہ وہ بڑا معاف کرنے والا ہے۔

[۳] دیکھتے نہیں ہو کہ اللہ نے کیسے ہفت آسمان تہ بر تہ بنائے اور چاند کو ان کے درمیان نور اور سورج کو چراغ بنایا اور تم کو زمین سے پیدا کیا۔

دعوت ان الفاظ میں پیش کی کہ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ (اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں ہے)، ورنہ اگر وہ اللہ کے الٰہ ہونے سے منکر ہوتے تو دعوت کے الفاظ یہ ہوتے کہ اِتَّخِذُوا اللّٰهَ اِلٰهًا (اللہ کو اپنا الٰہ بنالو)

اب سوال یہ ہے کہ ان کے اور حضرت نوحؑ کے درمیان نزاع کس بات پر تھی؟ آیات قرآنی کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ بنائے نزاع دو باتیں تھیں:۔

ایک یہ کہ حضرت نوحؑ کی تعلیم یہ تھی کہ جو رب العالمین ہے، جسے تم بھی مانتے ہو کہ تمھیں اور تمام کائنات کو اسی نے وجود بخشا ہے اور وہی تمھاری ضروریات کا کفیل ہے، دراصل وہی اکیلا تمھارا الٰہ ہے، اس کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے، کوئی اور ایسی ہستی نہیں ہے جو تمھاری حاجتیں پوری کرنے والی، مشکلیں آسان کرنے والی، دعائیں سننے اور مدد کو پہنچنے والی ہو، لہٰذا تم اسی کے آگے سرِ نیاز جھکاؤ:

يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ . . . . وَلٰكِنِّيْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّيْ (اعراف ۔ ۸)	اے برادرانِ قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا کوئی تمھارا الٰہ نہیں ہے . . . . مگر میں رب العالمین کی طرف سے پیامبر ہوں تمھیں اپنے رب کے پیغامات پہنچاتا ہوں۔

برعکس اس کے وہ لوگ اس بات پر مُصر تھے کہ رب العالمین تو اللہ ضرور ہے مگر دوسرے بھی خدائی کے انتظام میں تھوڑا یا بہت دخل رکھتے ہیں، اور ان سے بھی ہماری حاجتیں وابستہ ہیں، لہٰذا اللہ کے ساتھ ہم دوسروں کو بھی الٰہ مانیں گے:

وَقَالُوْا لَا تَذَرُنَّ اٰلِهَتَكُمْ وَلَا تَذَرُنَّ وَدًّا وَّلَا سُوَاعًا وَّلَا يَغُوْثَ وَيَعُوْقَ وَنَسْرًا (نوح ۔ ۲)	ان کے سرداروں اور پیشواؤں نے کہا کہ لوگو اپنے الٰہوں کو نہ چھوڑو، وَدّ اور سواع اور یغوث اور یعوق اور نسر کو نہ چھوڑو۔

دوسرے یہ کہ وہ لوگ صرف اس معنی میں اللہ کو رب مانتے تھے کہ وہ ان کا خالق، زمین و آسمان کا مالک، اور کائنات کا مدبر اعلیٰ ہے، لیکن اس بات کے قائل نہ تھے کہ اخلاق، معاشرت، تمدن،

سیاست اور تمام معاملات زندگی میں بھی حاکمیت و اقتدار اعلیٰ اسی کا حق ہے، وہی رہنما، وہی قانون ساز، وہی صاحب امر و نہی بھی ہے اور اسی کی اطاعت بھی ہونی چاہیے۔ ان سب معاملات میں انھوں نے اپنے سرداروں اور مذہبی پیشواؤں کو رب بنا رکھا تھا۔ برعکس اس کے حضرت نوح کا مطالبہ یہ تھا کہ ربوبیت کے ٹکڑے نہ کرو، تمام مفہومات کے اعتبار سے صرف اللہ ہی کو رب تسلیم کرو، اور اس کا نمائندہ ہونے کی حیثیت سے جو قوانین اور جو احکام میں تمھیں پہنچاتا ہوں ان کی پیروی کرو۔

اِنِّیْ لَکُمْ رَسُوْلٌ اَمِیْنٌ فَاتَّقُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوْنِ (الشعراء - ۶)	میں تمھارے لیے خدا کا معتبر رسول ہوں لہذا اللہ سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

قوم عاد قوم نوح کے بعد قرآن عاد کا ذکر کرتا ہے۔ یہ قوم بھی اللہ کی ہستی سے منکر نہ تھی، اس کے الٰہ ہونے سے بھی اس کو انکار نہ تھا، اور جس معنی میں حضرت نوح کی قوم اللہ کو رب تسلیم کرتی تھی اسی معنی میں وہ بھی اللہ کو رب مان رہی تھی، البتہ بنائے نزاع وہی دو امور تھے جو اوپر قوم نوح کے سلسلے میں بیان ہو چکے ہیں۔ چنانچہ قرآن کی حسب ذیل تصریحات اس پر صاف دلالت کرتی ہیں:

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاھُمْ ھُوْدًا، قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَکُمْ مِّنْ اِلٰہٍ غَیْرُہٗ .... قَالُوْا اَجِئْتَنَا لِنَعْبُدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ وَنَذَرَ مَا کَانَ یَعْبُدُ اٰبَآؤُنَا (اعراف - ۹)	عاد کی طرف ہم نے ان کے بھائی ہود کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی عبادت کرو، اس کے سوا تمھارا کوئی الٰہ نہیں..... انھوں نے جواب دیا کیا تو اسی لیے آیا ہے کہ ہم بس اکیلے اللہ ہی کی عبادت کریں اور ان معبودوں کو چھوڑ دیں جن کی عبادت باپ دادا کے وقتوں سے ہوتی آ رہی ہے
قَالُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰہُ لَاَنْزَلَ مَلٰٓئِکَۃً (السجدہ)	انھوں نے کہا اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیج سکتا تھا۔
وَتِلْکَ عَادٌ جَحَدُوْا بِاٰیٰتِ رَبِّھِمْ وَعَصَوْا رُسُلَہٗ وَاتَّبَعُوْٓا اَمْرَ کُلِّ جَبَّارٍ عَنِیْدٍ (ہود - ۵)	اور یہ عاد ہیں جنھوں نے اپنے رب کے احکام ماننے سے انکار کیا، اس کے رسولوں کی اطاعت قبول نہ کی، اور ہر جبار دشمن حق کی پیروی اختیار کر لی۔

ثمود اب ثمود کو لیجیے جو عاد کے بعد سب سے بڑی سرکش قوم تھی۔ اصولاً اس کی گمراہی بھی اسی قسم کی تھی جو قوم نوح اور قوم عاد کی بیان ہوئی ہے۔ ان لوگوں کو اللہ کے وجود اور اس کے الٰہ اور رب ہونے سے انکار نہ تھا، اُس کی عبادت سے بھی انکار نہ تھا، بلکہ انکار اس بات سے تھا کہ اللہ ہی الٰہ واحد ہے، صرف وہی عبادت کا مستحق ہے، اور ربوبیت اپنے تمام معانی کے ساتھ اکیلے اللہ ہی کے لیے خاص ہے۔ وہ اللہ کے سوا دوسروں کو بھی فریاد رس، مشکل کشا اور حاجت روا ماننے پر اصرار کرتے تھے، اور اپنی اخلاقی و تمدنی زندگی میں اللہ کے بجائے اپنے سرداروں اور پیشواؤں کی اطاعت کرنے اور ان سے اپنی زندگی کا قانون لینے پر مصر تھے۔ یہی چیز بالآخران کے ایک فسادی قوم بن جانے اور مبتلائے عذاب ہونے کی موجب ہوئی۔ اس کی توضیح حسب ذیل آیات سے ہوتی ہے:

فَإِنْ أَعْرَضُوا فَقُلْ أَنذَرْتُكُمْ صَاعِقَةً مِّثْلَ صَاعِقَةِ عَادٍ وَثَمُودَ إِذْ جَاءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِن بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ أَلَّا تَعْبُدُوا إِلَّا اللَّهَ قَالُوا لَوْ شَاءَ رَبُّنَا لَأَنزَلَ مَلَائِكَةً فَإِنَّا بِمَا أُرْسِلْتُم بِهِ كَافِرُونَ (السجدہ - ۲)

اے محمدؐ! اگر یہ لوگ تمہاری پیروی سے منہ موڑتے ہیں تو ان سے کہہ دو کہ عاد اور ثمود کو جو سزا ملی تھی ویسی ہی ایک ہولناک سزا سے میں تم کو ڈراتا ہوں جب ان قوموں کے پاس ان کے پیغمبر آگے اور پیچھے سے آئے اور کہا کہ اللہ کے سوا کسی کی بندگی نہ کرو تو انھوں نے کہا کہ اگر ہمارا رب چاہتا تو فرشتے بھیجتا، لہٰذا تم جو کچھ لے کر آئے ہو اسے ہم نہیں مانتے۔

وَإِلَىٰ ثَمُودَ أَخَاهُمْ صَالِحًا ۚ قَالَ يَا قَوْمِ اعْبُدُوا اللَّهَ مَا لَكُم مِّنْ إِلَٰهٍ غَيْرُهُ ..... قَالُوا يَا صَالِحُ قَدْ كُنتَ فِينَا مَرْجُوًّا قَبْلَ هَٰذَا ۖ أَتَنْهَانَا أَن نَّعْبُدَ مَا يَعْبُدُ آبَاؤُنَا (ہود - ۶)

اور ثمود کی طرف ہم نے ان کے بھائی صالح کو بھیجا۔ اس نے کہا اے برادران قوم! اللہ کی پرستش و بندگی کرو اس کے سوا تمہارا کوئی الٰہ نہیں ہے ...... انھوں نے کہا صالح! اس سے پہلے تو ہماری بڑی امیدیں تم سے وابستہ تھیں، کیا تم ہمیں ان کی عبادت سے روکتے ہو جن کی عبادت باپ دادا سے ہوتی چلی آرہی ہے؟

إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صَالِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ

جب ان کے بھائی صالح نے ان سے کہا کیا تمہیں اپنے بچاؤ

إِنِّي لَكُمْ رَسُولٌ أَمِينٌ فَاتَّقُوا اللَّهَ وَأَطِيعُونِ ...... وَلَا تُطِيعُوا أَمْرَ الْمُسْرِفِينَ الَّذِينَ يُفْسِدُونَ فِي الْأَرْضِ وَلَا يُصْلِحُونَ (الشعراء-۸)

کی کوئی فکر نہیں؟ دیکھو میں تمہارے لیے اللہ کا معتبر رسول ہوں، لہٰذا اللہ کی ناراضی سے بچو اور میری اطاعت قبول کرو..... اور ان حد سے گذرنے والوں کی اطاعت نہ کرو جو زمین میں فساد برپا کرتے ہیں اور اصلاح نہیں کرتے۔

قوم ابراہیم اور نمرود

اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ کی قوم کا نمبر آتا ہے۔ اس قوم کا معاملہ خاص طور پر اس لیے اہم ہے کہ اس کے بادشاہ نمرود کے متعلق یہ عام غلط فہمی ہے کہ وہ اللہ کا منکر اور خود خدا ہونے کا مدعی تھا، حالانکہ وہ اللہ کی ہستی کا قائل تھا، اس کے خالق و مدبر کائنات ہونے کا معتقد تھا، اور صرف تیسرے، چوتھے اور پانچویں معنی کے اعتبار سے اپنی ربوبیت کا دعویٰ کرتا تھا۔ نیز یہ بھی عام غلط فہمی ہے کہ یہ قوم اللہ سے بالکل ناواقف تھی اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کی سرے سے قائل ہی نہ تھی، حالانکہ فی الواقع اس قوم کا معاملہ قوم نوح اور عاد اور ثمود سے قطعاً کچھ بھی مختلف نہ تھا۔ وہ اللہ کے وجود کو بھی مانتی تھی، اس کا رب ہونا اور خالق ارض و سما اور مدبر کائنات ہونا بھی اسے معلوم تھا، اس کی عبادت سے بھی وہ منکر نہ تھی، البتہ اس کی گمراہی یہ تھی کہ وہ ربوبیت بمعنی اول و دوم میں اجرام فلکی کو حصہ دار سمجھتی تھی اور اس بنا پر اللہ کے ساتھ ان کو بھی معبود قرار دیتی تھی، اور ربوبیت بمعنی سوم و چہارم و پنجم کے اعتبار سے اس نے اپنے بادشاہوں کو رب بنا رکھا تھا۔ قرآن کی تصریحات اس بارے میں اتنی واضح ہیں کہ تعجب ہوتا ہے کس طرح لوگ اصل معاملہ کو سمجھنے سے قاصر رہ گئے۔ سب سے پہلے حضرت ابراہیمؑ کے آغاز ہوش کا وہ واقعہ لیجیے جس میں ان کی تلاش حق کا نقشہ کھینچا گیا ہے:-

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كَوْكَبًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَا أُحِبُّ الْآفِلِينَ فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هَٰذَا رَبِّي فَلَمَّا أَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّي لَأَكُونَنَّ

جب س پر رات طاری ہوئی تو اس نے ایک تارا دیکھا، کہنے لگا یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ تارا ڈوب گیا تو اس نے کہا ڈوبنے والوں کو تو میں پسند نہیں کرتا۔ پھر جب چاند چمکتا ہوا دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، مگر جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہا اگر میرے رب نے میری رہنمائی نہ فرمائی

مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّيْنَ ۔ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ۔ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ (انعام-۹)

تو خطرہ ہے کہ کہیں میں بھی ان گمراہ لوگوں میں شامل نہ ہو جاؤں۔ پھر جب سورج کو روشن دیکھا تو کہا یہ میرا رب ہے، یہ تو سب سے بڑا ہی، مگر جب وہ بھی چھپ گیا تو وہ پکار اٹھا کہ لے برادران قوم جو شرک تم کرتے ہو اس سے میرا کوئی تعلق نہیں میں نے تو سب طرف سے منہ موڑ کر اپنا رخ اس کی طرف پھیر دیا جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں شرک کرنے والوں میں سے نہیں ہوں۔

خط کشیدہ فقروں پر غور کرنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ جس سوسائٹی میں حضرت ابراہیمؑ نے آنکھ کھولی تھی اس میں آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے والے کا تصور اور اس ذات کے رب ہونے کا تصور، ان سیاروں کی ربوبیت کے تصور سے الگ موجود تھا، اور آخر کیوں نہ موجود ہوتا جبکہ یہ لوگ اُن مسلمانوں کی نسل سے تھے جو حضرت نوح پر ایمان لائے تھے اور ان کی قریبی رشتہ دار و ہمسایہ اقوام (عاد و ثمود) میں پے در پے انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے دینِ اسلام کی تجدید بھی ہوتی رہی تھی (جَآءَتْهُمُ الرُّسُلُ مِنْ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ)۔ پس حضرت ابراہیمؑ کو اللہ کے فاطر السموات والارض اور رب ہونے کا تصور تو اپنے ماحول سے مل چکا تھا، البتہ جو سوالات ان کے دل میں کھٹکتے تھے وہ یہ تھے کہ نظام ربوبیت میں اللہ کے ساتھ چاند، سورج اور سیاروں کے شریک ہونے کا جو تخیل ان کی قوم میں پایا جاتا ہے اور جس کی بنا پر یہ عبادت میں بھی اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھیرا رہے ہیں، یہ کہاں تک مبنی بر حقیقت ہے[ف]۔ چنانچہ نبوت سے پہلے اسی کی جستجو انھوں نے کی

ف یہاں اس امر کا ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا کہ حضرت ابراہیم کے وطن اُر کے متعلق آثار قدیمہ کی کھدائیوں میں جو انکشافات ہوئے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہاں چندرماں دیوتا کی پرستش ہوتی تھی جسے ان کی زبان میں "ننار" کہا جاتا تھا۔ اور اس کے ہمسایہ علاقہ میں جس کا مرکز لرسہ تھا، سورج دیوتا کی عبادت ہوتی تھی جس کا نام ان کی زبان میں شماش تھا۔ اس ملک کے فرماں روا خاندان کا بانی اُرنمّوٗ تھا جو عرب میں جا کر نمرود ہوگیا، اور اسی کے نام پر وہاں کے فرماں رواؤں کا لقب ہی نمرود قرار پایا جیسے نظام الملک کے جانشین نظام کہلاتے ہیں۔

اور طلوع و غروب کا انتظام ان کے لیے اس امر واقعی تک پہنچنے میں دلیل راہ بن گیا کہ فاطر السموات والارض کے سوا کوئی رب نہیں ہے۔ اسی بنا پر چاند کو غروب ہوتے دیکھ کر وہ فرماتے ہیں کہ "اگر میرے رب (یعنی اللہ) نے میری رہنمائی نہ فرمائی" تو خوف ہے کہ کہیں میں بھی حقیقت تک رسائی پانے سے نہ رہ جاؤں اور ان مظاہر سے دھوکا نہ کھا جاؤں جن سے میرے گردوپیش لاکھوں انسان دھوکا کھا رہے ہیں۔

پھر جب حضرت ابراہیم نبوت کے منصب پر سرفراز ہوئے اور انھوں نے دعوت الی اللہ کا کام شروع کیا تو جن الفاظ میں وہ اپنی دعوت پیش فرماتے تھے ان پر غور کرنے سے وہ بات اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے جو ہم نے اوپر بیان کی ہے۔ فرماتے ہیں:

وَكَيْفَ أَخَافُ مَا أَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُونَ أَنَّكُمْ أَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطَانًا۔ (انعام ۔ ۹)

اور آخر میں ان سے کس طرح ڈر سکتا ہوں جنھیں تم اللہ کا شریک ٹھیراتے ہو، جبکہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک بناتے ہوئے نہیں ڈرتے جن کے الٰہیت و ربوبیت میں شریک ہونے پر اللہ نے تمھارے پاس کوئی سند نہیں بھیجی۔

وَأَعْتَزِلُكُمْ وَمَا تَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ (مریم ۔ ۳)

تم اللہ کے سوا اور جن جن سے دعائیں مانگتے ہو ان سے میں دست کش ہوتا ہوں۔

قَالَ بَلْ رَبُّكُمْ رَبُّ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الَّذِي فَطَرَهُنَّ .... قَالَ أَفَتَعْبُدُونَ مِنْ دُونِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكُمْ شَيْئًا وَّلَا يَضُرُّكُمْ (انبیاء ۔ ۵)

کہا تمھارا رب تو صرف آسمانوں اور زمین کا رب ہی ہے جس نے ان سب چیزوں کو پیدا کیا ہے .... کہا پھر کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو تمھیں نفع و نقصان پہنچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتے؟

إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهٖ مَاذَا تَعْبُدُونَ، أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللّٰهِ تُرِيدُونَ، فَمَا ظَنُّكُمْ بِرَبِّ الْعٰلَمِينَ (صٰفّٰت ۔ ۳)

جب ابراہیم نے اپنے باپ اور اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ یہ تم کن کی عبادت کر رہے ہو؟ کیا اللہ کے سوا اپنے خود ساختہ الٰہوں کی بندگی کا ارادہ ہے؟ پھر رب العالمین کے متعلق تمھارا کیا خیال ہے؟

إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ (الممتحنہ-۱)

ابراہیم اور اس کے ساتھی مسلمانوں نے اپنی قوم کے لوگوں سے صاف کہدیا کہ ہمارا تم سے اور اللہ کے سوا جن جن کی تم عبادت کرتے ہو ان سب سے کوئی تعلق نہیں، ہم تمہارے طریقے کو ماننے سے انکار کر چکے ہیں اور ہمارے اور تمہارے درمیان ہمیشہ کیلیے بغض و عداوت کی بنا پڑ گئی ہے جب تک تم اکیلے اللہ پر ایمان نہ لاؤ۔

حضرت ابراہیم کے ان تمام ارشادات کو دیکھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کے مخاطب وہ لوگ نہ تھے جو اللہ سے بالکل نا واقف اور اس کے رب العالمین اور معبود ہونے سے منکر یا خالی الذہن ہوتے، بلکہ وہ لوگ تھے جو اللہ کے ساتھ ربوبیت (بمعنی اول و دوم) اور الٰہیت میں دوسروں کو شریک قرار دیتے تھے۔ اسی لیے تمام قرآن میں کسی ایک جگہ بھی حضرت ابراہیم کا کوئی ایسا قول موجود نہیں ہے جس میں انھوں نے اپنی قوم کو اللہ کی ہستی اور اس کے الٰہ اور رب ہونے کا قائل کرنے کی کوشش کی ہو، بلکہ ہر جگہ وہ دعوت اس چیز کی دیتے ہیں کہ اللہ ہی رب اور الٰہ ہے۔

اب نمرود کے معاملہ کو لیجیے۔ اس سے حضرت ابراہیم کی جو گفتگو ہوئی اسے قرآن اس طرح نقل کرتا ہے:

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ قَالَ إِبْرَاهِيمُ فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ (بقرہ-۳۵)

تم نے اس شخص کو بھی دیکھا جس نے ابراہیم سے اس کے رب کے بارے میں بحث کی، اس بنا پر کہ اللہ نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیم نے کہا کہ میرا رب وہ ہے جس کے ہاتھ میں زندگی و موت ہے، تو اس نے کہا زندگی و موت تو میرے اختیار میں ہے۔ ابراہیم نے کہا، اچھا تو حقیقت یہ ہے کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے اب تو ذرا اسے مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ کافر مبہوت رہ گیا۔

اس گفتگو سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ جھگڑا اللہ کے ہونے یا نہ ہونے پر نہ تھا بلکہ اس

بات پر تھا کہ ابراہیم علیہ السلام رب کسے تسلیم کرتے ہیں۔ نمرود اول تو اس قوم سے تعلق رکھتا تھا جو اللہ کی ہستی کو مانتی تھی، دوسرے جب تک کہ وہ بالکل ہی پاگل نہ ہو جاتا وہ ایسی صریح احمقانہ بات کبھی نہ کہہ سکتا تھا کہ زمین و آسمان کا خالق اور سورج اور چاند کو گردش دینے والا وہ خود ہے۔ پس دراصل اس کا دعویٰ یہ نہ تھا کہ میں اللہ ہوں یا میں رب السمٰوات والارض ہوں، بلکہ اس کا دعویٰ صرف یہ تھا کہ میں اس مملکت کا "رب" ہوں جس کی رعیت کا ایک فرد ابراہیم ہے۔ اور یہ رب ہونے کا دعویٰ بھی اسے ربوبیت کے پہلے اور دوسرے مفہوم کے اعتبار سے نہ تھا، کیونکہ اس اعتبار سے تو وہ خود چاند اور سورج اور سیاروں کی ربوبیت کا قائل تھا، البتہ وہ تیسرے، چوتھے اور پانچویں مفہوم کے اعتبار سے اپنی مملکت کا رب بنتا تھا، یعنی اس کا دعویٰ یہ تھا کہ میں اس ملک کا مالک ہوں، اس کے سارے باشندے میرے بندے ہیں، میرا مرکزی اقتدار ان کے اجتماع کی بنیاد ہے اور میرا فرمان ان کے لیے قانون ہے (اَنْ اٰتٰهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ کے الفاظ صریحاً اس بات کی طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس کے دعوائے ربوبیت کی بنیاد بادشاہی کے زعم پر تھی)۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ اس کی رعیت میں سے ابراہیم نامی ایک شخص اٹھا ہے جو نہ چاند اور سورج اور سیاروں کی فوق الفطری رُبوبیت کا قائل ہے اور نہ بادشاہ وقت کی سیاسی و تمدنی ربوبیت تسلیم کرتا ہے تو اس کو تعجب ہوا اور حضرت ابراہیم کو بلا کر اس نے دریافت کیا کہ آخر تم کسے رب مانتے ہو؟ حضرت ابراہیم نے پہلے فرمایا کہ میرا رب وہ ہے جس کے قبضۂ قدرت میں زندگی و موت کے اختیارات ہیں۔ مگر اس جواب سے وہ بات کی تہ کو نہ پہنچ سکا اور یہ کہہ کر اس نے اپنی ربوبیت ثابت کرنی چاہی کہ زندگی اور موت کے اختیارات تو مجھے حاصل ہیں، جسے چاہوں قتل کرادوں اور جس کی چاہوں جان بخشی کردوں۔ تب حضرت ابراہیم نے اسے بتایا کہ میں صرف اللہ کو رب مانتا ہوں، ربوبیت کے جملہ مفہومات کے اعتبار سے میرے نزدیک تنہا اللہ ہی رب ہے۔ اس نظام کائنات میں کسی دوسرے کی ربوبیت کے لیے گنجائش ہی کہاں ہو سکتی ہے جب کہ سورج کے طلوع و غروب پر وہ ذرہ برابر اثر انداز نہیں ہو سکتا۔ نمرود آدمی ذی ہوش تھا، اس دلیل کو سن کر

اس پر یہ حقیقت کھل گئی کہ فی الواقع اللہ کی اِس سلطنت میں اس کا دعوائے ربوبیت بجز ایک زعم باطل کے اور کچھ نہیں ہے، اسی لیے وہ دم بخود ہو کر رہ گیا۔ مگر نفس پرستی اور شخصی و خاندانی اغراض کی بندگی ایسی دامنگیر ہوئی کہ ظہورِ حق کے باوجود وہ خود مختارانہ حکمرانی کے منصب سے اُتر کر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت پر آمادہ نہ ہوا۔ یہی وجہ ہے کہ اس گفتگو کو نقل کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ (مگر اللہ ظالموں کو ہدایت نہیں دیتا) یعنی اس ظہورِ حق کے بعد جو رویہ اسے اختیار کرنا چاہیے تھا اسے اختیار کرنے کے لیے جب وہ تیار نہ ہوا اور اس نے غاصبانہ فرمانروائی کر کے دنیا پر اور خود اپنے نفس پر ظلم کرنا ہی پسند کیا تو اللہ نے بھی اسے ہدایت کی روشنی عطا نہ کی، کیونکہ اللہ کا یہ طریقہ نہیں ہے کہ جو خود ہدایت کا طالب نہ ہو اس پر زبردستی اپنی ہدایت مسلط کر دے۔ (باقی)

چند نایاب اسلامی کتب اور انکی قیمتوں میں حیرت انگیز رعایت

تفسیر القرآن۔ مکمل آٹھ جلدوں میں (اردو) قرآن پاک کی بہترین تفسیر۔ اصلی قیمت مکمل سٹ ۲۱ روپیہ آٹھ آنہ۔ غیر مجلد۔ رعایتی قیمت مجلد ۱۴ روپیہ۔ غیر مجلد بارہ روپیہ۔ **جوہر قرآنی**۔ علامہ طنطاوی جوہری مصری کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ۔ اصلی قیمت ایکروپیہ۔ رعایتی قیمت دس آنہ۔ **انجیل برنباس**۔ اُس مقدس و اصلی انجیل کا اردو ترجمہ جسکو حاملانِ دین عیسوی نے عہد تاریک میں نیست و نابود کرنے کی انتہائی کوشش کی تھی کیونکہ اس میں حضرت رسول خدا کے ظہور کی تصریح موجود ہے۔ قیمت ڈھائی روپیہ۔

فاتحۃ العلوم۔ تفسیر کبیر مصنفہ امام فخر الدین رازی کی جلد اول کا ترجمہ۔ سورہ الحمد کی مکمل تفسیر کا اُردو ترجمہ۔ کاغذ قدرے بوسیدہ۔ اصلی قیمت تین روپے۔ رعایتی قیمت دو روپے۔ **سیرت الرسول**۔ سیرت النبی معروف بہ سیرت ابن ہشام کا اُردو ترجمہ دو حصوں میں۔ قیمت مکمل سٹ دو روپیہ۔ رعایتی ایک روپیہ چار آنہ۔ **تاریخ مراکش**۔ مراکش کی مکمل و جامع تاریخ۔ مراکش کے مشہور مورخ محمد بن احمد کی مشہور تصنیف کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں۔ اصلی قیمت تین روپے۔ رعایتی دو روپے۔ (ضروری نوٹ) محصولڈاک ہر حالت میں ذمہ خریدار ہوگا۔ تفسیر القرآن کے آرڈر کے ساتھ پیشگی دو روپے آنے چاہئیں۔ ورنہ تعمیل ارشاد نہ ہوگی۔ تفسیر القرآن بوجہ وزنی ہونے کے بذریعہ ریلوے پارسل جا سکتی ہے۔ اس لیے اپنے قریبی ریلوے اسٹیشن کا نام ضرور تحریر کریں

منیجر ایشیا بک ڈپو۔ لاہور۔